رزقِ حلال

خرّم مراد

منشورات

00102 / 8

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمُ

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :
قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
”اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا ، وَاِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ ، فَقَالَ تَعَالٰى : ﴿ يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ﴾ وَقَالَ تَعَالٰى : ﴿ يَااَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَا كُمْ ﴾ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ ، اَشْعَثَ اَغْبَرَ ، يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ : يَارَبِّ يَارَبِّ ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسهُ حَرَامٌ ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ ، فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لَهُ “

(رواه مسلم)

باسمہ

اچھے اخلاق میں ایک بڑی اعلیٰ صفت رزقِ حلال ہے۔ اس کا اثر پوری زندگی پر پڑتا ہے۔ زندگی بھی متاثر ہوتی ہے اور آخرت کا انجام بھی۔ جب حلال رزق کی بجائے حرام رزق پہنچنا شروع ہوجائے تو زندگی کے اندر فساد پیدا ہوتا ہے' معاشرہ بگڑتا ہے' دُعائیں قبول نہیں ہوتیں اور نیک اعمال بھی فائدہ نہیں پہنچاتے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد جس کو مسلم' ترمذی اور دیگر احادیث کی کتابوں میں روایت کیا گیا ہے' اسی رزق حلال کے موضوع پر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں کرتا جو پاک نہ ہو''۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کو ہر اس بات کی ہدایت کی ہے اور ہر اس بات کا حکم دیا ہے جس بات کی ہدایت اور حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۭ۝ (المومنون ۲۳:۵۱) اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو وہ میں جانتا ہوں''۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ اے ایمان لانے والو! جو کچھ بھی ہم نے تم کو رزق دیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر کیا کہ وہ لمبا سفر کرتا ہے' اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں' گردآلود ہیں' گرد میں بری طرح اَٹا ہوا ہے' وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور دُعا کرتا ہے' کہ اے میرے رب' اے میرے رب' حالانکہ اس کا کھانا بھی حرام ہے' اس کا پینا بھی حرام ہے' اس کا لباس بھی حرام ہے اور اس کی پرورش بھی حرام سے کی گئی ہے۔ اس آدمی کی پکار کیسے سنی جائے گی؟

یہ طویل حدیث اپنے اندر بہت سارے سبق رکھتی ہے۔

پہلی بات تو خود نبی کریم ﷺ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ خود طیب ہے اور وہ اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو طیب ہو۔ کیونکہ اللہ کی صفت کا یہ تقاضا ہے کہ کوئی ایسی چیز جو حلال سے دور ہو' حرام سے قریب ہو' وہ صدقہ ہو' عمل ہو' خرچ ہو' وہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ صدقہ صرف وہی نہیں ہوتا کہ جو آدمی کسی غریب اور فقیر کو دے دے بلکہ نبی کریم ﷺ نے صدقے کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ ہر وہ مال جو آدمی حق کی ادائیگی میں خرچ کرتا ہے صدقہ ہے۔ اپنے آپ پر خرچ کرتا ہے' جسم کو کھلاتا ہے' پلاتا ہے تاکہ اس کی صحت برقرار رہے' وہ دُنیا کے کام کر سکے اور آخرت کما سکے تو وہ بھی صدقہ ہے۔ اپنے رشتہ داروں کو اپنے اہل و عیال کو اگر وہ مال دیتا ہے اور ان پر خرچ کرتا ہے تو وہ بھی صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول کرتا ہے جو پاک ہو اور وہی مال قبول کرتا ہے جو پاکیزہ ہو۔ قرآن مجید میں اس کی تشریح بہت جگہ فرمائی گئی ہے۔

اس لیے نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر ہدایت فرمائی کہ اللہ کے حضور ناپاک مال پیش مت کرو' اور وہ مال بھی اللہ کی راہ میں نہ دو جو ناکارہ ہو اور کسی کام کا نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ خود طیب ہے' اسی لیے وہ اعمال میں سے اور مال میں سے اسی چیز کو قبول فرماتا ہے جو پاکیزہ ہو۔ چنانچہ اگر حرام کی کمائی ہے اور حرام مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور بندوں کے حقوق ادا کیے جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔

دوسری بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ جس بات کا اللہ نے اپنے رسولوں کو حکم دیا ہے اسی بات کا اس نے ایمان لانے والوں کو حکم دیا ہے۔ کچھ اعمال تو ضرور ایسے ہیں کہ جو اللہ کے رسولوں کے لیے خاص ہیں لیکن اللہ نے اپنے رسولوں کو ان ساری ہدایات اور احکام کا پابند کیا ہے جن کا مطالبہ وہ رسولوں پر ایمان لانے والوں سے کرتا ہے۔ ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ(البقرۃ ۲:۲۸۵) ''رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف اس پر نازل ہوئی ہے''۔ اللہ کا رسول بھی اسی طرح ایمان لاتا ہے جس طرح ایمان لانے والے

ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اگر اللہ کے رسول خود ایمان رکھتے ہیں تو اسی بات کی ہدایت اور حکم ایمان لانے والوں کو بھی ہے کہ صحیح اور سچّا' پکا ایمان رکھیں۔ اگر ان سے عمل صالح کا مطالبہ ہے تو سارے مومنین سے بھی عمل صالح کا مطالبہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے یہ چاہا ہے کہ جو حق ان کو دیا گیا ہے' وہ اس کو پہنچائیں اور اس کی تبلیغ کریں تو سارے ایمان لانے والوں سے بھی یہی مطالبہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ الْمُرْسَلِیْن، اللہ نے مومنین کو ان ساری باتوں کا حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے جس کا حکم اس نے ان کو دیا ہے جن کو اس نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ بات کہنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے دو آیات کی تلاوت فرمائی۔ پہلی آیت میں تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو کس بات کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت ہے: یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ ،یعنی جو پاکیزہ چیزیں ہیں وہی کھاؤ۔ جو آدمی کھاتا ہے اس کے تین معنی ہوتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جو غذا اس کے جسم میں جارہی ہے' اس میں شراب' سور کا گوشت' مردار یا کوئی اور شے جسے اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے' شامل نہ ہو۔ یہ تو ظاہراً بھی ناپاک ہیں اور بالعموم شاید ہی کوئی مسلمان جو اللہ سے ذرا بھی تعلّق رکھتا ہو' اور اس کی اطاعت کرنا چاہتا ہو' وہ جانتے بوجھتے کوئی ایسی حرام چیز کھائے گا جس کو اللہ نے کھلم کھلا واضح طور پر حرام قرار دے دیا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض چیزیں اس لیے حرام نہیں ہوتیں کہ وہ فی نفسہ اپنی ذات میں حرام ہیں بلکہ وہ اس لیے حرام ہوجاتی ہیں کہ وہ حرام ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں۔ غصب کا مال ہے' ناجائز مال ہے' کسی کا حق مارلیا ہے' رشوت ہے' سود کا مال ہے' یہ سب حرام ہے۔ کسی روپے پیسے پر تو نہیں لکھا ہوا ہوتا کہ یہ حرام ہے۔ اس سے جو کھانا پکتا ہے اور آدمی کھاتا ہے' اس پر بھی کہیں نہیں لکھا ہوا ہوتا کہ یہ کھانا حرام ہے۔ اس طرح وہ لذیذ کھانا جو دستر خوان پر موجود ہے حرام ہوتا ہے۔ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ طیبات کھاؤ تو اس سے وہ غذا مراد ہے جو پاکیزہ

ذرائع سے حاصل کی گئی ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ کھانے کا لفظ ہم ہر قسم کے مال کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کھاؤ پیو کے معنی ہوتے ہیں کہ مال کو آدمی جس طرح بھی چاہے استعمال کرے اور اپنے مصرف میں لائے۔ مال کھانا اور استعمال کرنا اسی کی تعریف میں آتا ہے۔ اللہ نے اپنے رسولوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ طیبات' یعنی پاکیزہ چیزیں کھائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود پاک ہے' پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتا ہے' پاکیزہ چیزوں کو قبول کرتا ہے' اس لیے وہی چیزیں کھاؤ جو اللہ نے پاک کی ہیں اور نیک عمل کرو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے دوسری آیت تلاوت فرمائی جو آپ کی اسی بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اللہ نے جن باتوں کی ہدایت اپنے رسولوں کو دی ہے اس کے اندر ان کے سارے ماننے والے شریک ہیں۔ جس بات کا مطالبہ اس نے اپنے رسولوں سے کیا ہے اس کا مطالبہ سارے ماننے والوں سے کیا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ کہ ایمان لانے والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو رزق میں عطا کی ہیں۔ یہاں پر بھی کھانے کا لفظ ان تینوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وہ چیز فی نفسہٖ بھی حلال ہو' وہ حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو۔ بالعموم دستر خوان پر آنے والا کھانا ہی نہیں بلکہ ہر وہ مال جو آدمی استعمال کرتا ہو' وہ پاک مال ہو جو اللہ نے دیا ہے۔

آپ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر کیا اور اس آدمی کا ذکر آپ ﷺ نے جس انداز میں کیا وہ بڑا سننے اور دل میں یاد رکھنے کے قابل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی لمبا سفر کرتا ہے' بال بکھرے ہوئے ہیں' گرد و غبار سے اَٹا ہوا ہے۔ یہ کس آدمی کا ذکر ہے۔ یہ اس آدمی کا ذکر بھی ہوسکتا ہے جو مال کمانے کے لیے دن رات اپنے آپ کو لگائے رکھتا ہے' اس کے لیے سفر بھی کرتا ہے' محنت بھی کرتا ہے' اپنا وقت بھی لگاتا ہے' حلیہ بھی خراب رہتا ہے' گرد و غبار کے اندر اَٹ جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں مال کمانے کے لیے سفر کرنے پڑتے تھے اور سفر بھی کاروں اور

ہوائی جہازوں میں نہیں ہوتے تھے بلکہ دھوپ اور گرد میں اٹ کر ہوتے تھے‘ یعنی اتنا سفر مال کمانے کے لیے کرتا ہے۔ اتنی محنت کر کے جو مال کماتا ہے تو مال حرام ہوتا ہے۔

آگے چل کر ایک دوسرے معنی بھی ہیں اور وہ معنی یہ ہیں کہ آدمی نیکی اور عبادت کے لیے سفر کرتا ہے۔ اس سفر میں وہ پریشانیاں اور تکالیف اُٹھاتا ہے۔ اس کا حلیہ خراب ہوتا ہے‘ بال گرد و غبار سے اَٹے ہوئے ہیں۔ پورا جسم گرد و غبار سے اَٹا ہوا ہے۔ یہ مثال اس سفر پر صادق آتی جو آدمی اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت‘ طواف اور حج وعمرہ کے لیے کرتا ہے‘ یا کوئی بھی سفر جو آدمی کہیں بھی‘ کسی مقدس مقام پر کسی نیکی کے حصول کے لیے کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور گڑگڑا کے عاجزی کے ساتھ اپنے رب کو پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ یا رب‘ یا رب‘ میرے رب‘ میرے رب میری سن لے۔ پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں مَطْعَمُهُ حَرَامٌ اس کا کھانا بھی حرام ہے‘ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ اور پینا بھی حرام ہے‘ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ اور لباس بھی حرام ہے۔ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ جس سے جسم کا گوشت بنا ہے‘ رگ اور پٹھے بنے ہیں‘ جس غذا سے اس کی پرورش ہوئی ہے وہ بھی حرام ہے‘ تو ایسے آدمی کی دُعا کہاں سے سنی جائے گی‘ کہاں سے قبول ہوگی۔

یہ بڑا ہی عبرت ناک منظر ہے کہ آدمی نیکی کی خاطر اور اللہ کی رضا کی خاطر سفر کرتا ہے۔ وہاں جا کر روتا دھوتا ہے‘ مال بھی خرچ کرتا ہے‘ سفر کی تکالیف بھی اُٹھاتا ہے اور اللہ سے مانگتا بھی ہے‘ گڑگڑاتا بھی ہے‘ عاجزی بھی کرتا ہے‘ لمبی لمبی دُعائیں کرتا ہے لیکن دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور دُعائیں اس لیے قبول نہیں ہوتیں کہ جو مانگنے والا ہے اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے‘ جو لقمہ جسم کے اندر جا رہا ہے وہ حرام سے کمایا ہوا ہے‘ جو کچھ آدمی کو مل رہا ہے وہ حرام کا ہے اور جو کچھ پہنتا ہے وہ بھی حرام کا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلی بات جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے‘ وہ یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی ایسی نافرمانی ہو تو دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اس آدمی کی دُعا نہیں سنی جاتی۔ ایسے آدمی کی دُعا کیسے سنی جائے گی جو اللہ کی اتنی نافرمانیاں کر کے اس کے حضور

میں حاضر ہوا ہے۔

دُعاؤں کی قبولیت کا رزقِ حلال کے ساتھ بڑا گہرا تعلّق ہے۔ دوسری احادیث میں اس بات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت سے ملتی جلتی آیت تلاوت فرمائی: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوۡا مِمَّا فِی الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَیِّبًا، لوگو! زمین میں سے وہی چیزیں کھاؤ جو حلال اور پاکیزہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ایک بڑے قریبی صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور فاتح ایران کہلاتے ہیں اور قادسیہ کی جنگ جس میں ایران فتح ہوا تھا' کمانڈر تھے۔ وہ کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ دُعا کیجیے کہ میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں' یعنی میں ایسا آدمی ہو جاؤں کہ جس کی دُعا سنی جائے اور قبول ہو جائے۔ اُنھوں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے یہ مقام حاصل ہو کہ میں جو بھی مانگوں اور جو بھی طلب کروں' اللہ تعالیٰ کے سامنے جو دُعا پیش کروں' وہ قبول کی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے سعدؓ اپنے کھانے کو پاکیزہ رکھو' جو کماؤ' اپنے اوپر جو خرچ کرو' جو کھاؤ اور پیو' پاکیزہ ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم اس کے بعد ایسے ہو جاؤ گے کہ تمھاری دُعائیں قبول ہوں گی۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک حرام لقمہ پیٹ کے اندر ڈالا جاتا ہے تو چالیس دن تک کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

یہ طبرانی کی حدیث ہے جس میں یہ وعید سنائی گئی ہے کہ اگر ایک لقمہ بھی پیٹ میں ایسا جائے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو تو چالیس دن تک کوئی عمل' نمازیں' روزے اور دوسری نیکیاں قبول نہیں ہوتیں۔ حدیث میں سُحتٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور سُحتٌ کے لغوی معنی کسی چیز کی جڑ کاٹ دینا ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ یہودیوں کے ذکر میں کئی جگہ آیا ہے' وَاَکۡلِھِمُ السُّحۡتَ، یَاۡکُلُوۡنَ السُّحۡتَ' یعنی خوب بڑھ بڑھ کر حرام کھاتے ہیں اور ان کے لیڈروں اور علما کو انھیں حرام کھانے سے منع کرنا چاہیے۔ سُحت کا لفظ رشوت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا جس جسم کی پرورش حرام کے مال سے کی گئی ہو' رشوت کے مال سے کی گئی ہو'

آ گ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ وہ اس جسم کو کھائے‘ بجائے اس کے کہ اس کے اعمال اللہ کے ہاں قبول ہوں اور اس کی دُعائیں قبول کی جائیں۔ اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دُعاؤں کی قبولیت کا انحصار رزق حلال پر ہے‘ اور اگر حرام مال ہو‘ حرام غذا ہو‘ حرام کمائی ہو تو دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

یہ سوال ہمارے ذہن میں پیدا ہونا چاہیے اور اکثر پیدا بھی شاید ہوتا ہوگا کہ ہمارے ہاں دُعاؤں کی تو کوئی کمی نہیں ہے‘ ہر نماز کے بعد ہم اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا دیتے ہیں‘ خوب خوب دُعائیں ہوتی ہیں‘ ہزاروں لاکھوں مسلمان دعائیں کرتے ہیں‘ اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ‘ اے اللہ‘ اے رب‘ اے رب‘ سن لے‘ روتے ہیں‘ گڑگڑاتے ہیں۔ رات کی تنہائیوں میں بھی دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اللہ کے بہت سارے بندے ہیں جو راتوں کو کھڑے ہوتے ہیں‘ اندھیرے میں کھڑے ہوتے ہیں‘ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں‘ اس کے آگے پیشانی ٹیک دیتے ہیں‘ گڑگڑا کے دعائیں مانگتے ہیں۔ لاکھوں آدمی اللہ کے گھر کا سفر کرتے ہیں‘ اپنا پیسہ خرچ کرتے ہیں‘ تکلیف اٹھاتے ہیں‘ گھر بار چھوڑتے ہیں‘ کاروبار ترک کرتے ہیں‘ حرم میں حاضر ہوتے ہیں‘ خانہ کعبہ کے گرد چکر لگاتے ہیں‘ خانہ کعبہ کے دروازے سے چمٹ جاتے ہیں۔ جس نے بھی وہاں پر حاضری دی ہے‘ وہ ان مناظر کو خوب جانتا ہے۔ لوگ گڑگڑاتے ہیں‘ روتے ہیں۔ عرفات کے مقام پر لاکھوں آدمی جمع ہوتے ہیں اور اللہ کے آگے گڑگڑاتے ہیں‘ ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اتنی دُعائیں کی جاتی ہیں مگر اس اُمت کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ یہ سوال کیوں نہیں پیدا ہوتا؟ دُعاؤں کی تو کوئی کمی نہیں ہے‘ رونے کی بھی کمی نہیں ہے‘ گڑگڑانے کی کمی نہیں ہے‘ عاجزی کی کمی نہیں ہے‘ مانگنے کی کمی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اجتماعی دُعائیں بھی اتنی کثرت سے مانگی جاتی ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ دُعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں؟

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ دُعاؤں کے ساتھ کوشش اور عمل

صالح نہیں ہوتا۔ قرآن مجید نے خود ہی اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ عمل صالح ہی سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ عبادت کی قبولیت کا انحصار اسی پر ہے کہ اس کے ساتھ نیک عمل ہو اور نیک عمل سے جو چیز بڑھ کر ہے وہ رزق حلال ہے۔ بنی اسرائیل کے ذکر میں کئی دفعہ اس کا ذکر ہوا ہے۔ لوگوں کو سود کھانے سے، دوسروں کا مال باطل طریقوں سے کھانے سے روکا گیا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور ان پر لعنت کر دی ہے۔ یہی تو ان سے میثاق تھا، یہی تو ان سے وعدہ تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی پابندی کریں گے۔ اللہ نے پہلے انسان کی جو آزمایش کی تھی، وہ یہ تھی کہ دیکھو! اس درخت کے قریب مت جانا۔ وہ درخت کیا تھا۔ اس کے اندر کیا خواص تھے، ہم کو یہ جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دیکھیں کہ یہ حکم کس لیے دیا گیا تھا۔ فرمایا گیا کہ دیکھو! اس کے قریب مت جانا اور انسان کے اندر یہی غلطی ہے کہ جس چیز سے روکا جائے وہ اسی کے قریب جائے اور اسی کو کھائے۔ جس پھل سے، جس پیسے سے، جس مال سے، جس غذا سے روک دیا گیا ہے اس کے پیچھے جائے، اسی کو کھائے۔ یہی جنت سے نکلنے کا سبب تھا اور یہی جنت سے دور رہنے کا سبب بھی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کیفیت مسلط ہو جاتی ہے کہ لوگ دُعائیں مانگتے ہیں اور وہ دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

یہ حدیث ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں قرآن کی آیات کا بھی حوالہ ہے۔ یہ اصول بھی بیان ہوا ہے کہ اللہ خود پاک ہے اور پاک چیزوں کو قبول کرتا ہے۔ یہ حدیث اس راز کو کھول کر بیان کر دیتی ہے۔ اگر یہ راز واقعی راز ہے اور یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں مسلمان جمع ہوتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، دُعائیں مانگتے ہیں وہ کیوں قبول نہیں ہوتیں۔ ہم میں سے ہر آدمی اپنے مال کا جائزہ لے سکتا ہے۔ اور اگر اپنے مال کا جائزہ لینا گراں گزرے تو مجموعی طور پر آپ دیکھ لیں کہ معاشرے کی حالت کیا ہے۔ مختلف پہلوؤں سے آپ دیکھیں۔ وہ مال جو آدمی نے کسی دوسرے کا غصب کر لیا ہو، کسی کا حق مار لیا ہو، وہ مال تو سرے سے ہی ناجائز ہے۔ اس کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کا

مال ناحق کھالیا، غصب کرلیا، اپنے مال میں ملالیا تو اللہ نے اس کے اوپر جنت کو حرام کردیا اور آگ کو حلال کردیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اگرچہ بہت معمولی چیز ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو۔ اتنی کم چیز بھی ہو تو اللہ نے کسی کا مال ناجائز غصب کرنے اور کسی کا حق مار لینے کو سب سے بڑھ کر حرام قرار دیا ہے۔ اگر آدمی سود لے تو شاید اس میں کسی دوسرے کا حق نہ مارا جا رہا ہو لیکن یہ تو سب سے بڑھ کر ہے کہ ایک آدمی پر ظلم بھی ہوا ہو، اس کا حق بھی مارا گیا ہو اور پھر اس آدمی نے اس حق کو اپنے مال میں ملالیا۔ کسی کا حق مارنا، کسی کا حق غصب کرنا اور اس مال کو کھانا اور اس کو پہننا اور اس کو پینا اور اس سے اپنی پرورش کرنا، اس طرح جب حرام غذا شامل ہوگئی تو جسم سے جو صدا اللہ کو پکارنے کے لیے اُٹھے گی وہ کہاں سنی جائے گی۔ ایسے آدمی کی کون سنے گا اور کیوں سنے گا۔

ایک تو آدمی جانتے بوجھتے مال غصب کرتا ہے، ایک رواج ہو جاتا ہے۔ میراث کا حکم بڑا واضح اور صاف ہے۔ اللہ نے جہاں میراث کے احکام بیان کیے ہیں وہاں قرآن کا انداز بڑا واضح اور بڑا سخت ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی بڑی واضح تشریح فرمادی ہے۔ کسی وارث کو اس کے ورثے سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی وارث کسی دوسرے کا مال اپنے قبضے میں لاکر استعمال نہیں کرسکتا۔ مال کی وصیّت بھی ایک تہائی سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ ورثے کے اندر خورد برد بہت عام ہے۔ ایک تو رواج ہی چلا آتا ہے کہ لڑکیوں کو اور عورتوں کو ورثے سے محروم کردیا جاتا ہے۔ اچھے اچھے لوگ غور نہیں کرتے کہ عورتوں کے جس حصّے کو ان کے رب نے ان کو متعین کر کے دے دیا تھا، وہ اُنھوں نے کیسے رکھ لیا۔ اس کے بارے میں سورہ نساء کے اندر بڑی وعید ہے اور ایسے آدمی کو جو ورثے کے اندر زیادتی اور تجاوز کرتا ہے جہنّم کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی پروا نہیں کرتے۔ مرنے والے کی ہر چیز ورثہ ہے، اس کا لباس، اس کے جوتے، اس کے استعمال کی چیزیں، اس کا مال ہر چیز، ایک ایک آنہ بلکہ ایک ایک پائی پر بھی وارثوں کا حق ہے۔

رشوت معاشرے کے اندر اتنی عام ہوگئی ہے کہ اب یہ تصور بھی نہیں کیا جاتا کہ اس کے بغیر معاشرہ قائم رہ سکتا ہے۔ یہ آہستہ آہستہ معاشرے کی جڑیں کاٹتی چلی جارہی ہے۔ اس کی وجہ سے حق اور انصاف رخصت ہوگیا ہے۔ کسی کو یہ یقین نہیں ہے کہ میرا حق بغیر رشوت کے مل سکتا ہے۔ کسی بھی کاروبار کے اندر، کسی بھی معاملے کے اندر لوگ خوب بڑھ کر ہاتھ مارتے ہیں اور رشوت کھاتے ہیں۔ ویسا ہی حال ہے جیسا قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے بارے میں کثرت سے ذکر کیا ہے کہ حرام کا مال کھانے والے ہیں۔ ان پر اللہ کا جو غضب نازل ہوا، وہ اسی وجہ سے نازل ہوا ہے۔

اَلرَّاشِیُ وَالْمُرْتَشِیُ کِلَا ھُمَا فِیْ النَّارِ، رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں ہی جہنّم میں جائیں گے۔ رشوت حکمرانوں کے لیے اور کسی بھی انسان کے لیے ناجائز ہے۔ ایک صاحب کو نبی کریم ﷺ نے صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ اس زمانے میں یہ حکومت کا ایسا منصب تھا جس طرح آج کل انکم ٹیکس آفیسر ہوتے ہیں۔ وہ صدقہ وصول کرنے کے لیے گئے۔ بالکل ٹھیک ٹھیک، صاف صاف معاملہ کر کے آئے۔ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، بے انصافی نہیں کی۔ صدقے کا مال وصول کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لاکر حاضر کر دیا اور کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ کچھ اور بھی مال ان کے پاس تھا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ مال تمھارے پاس کہاں سے آیا؟ انھوں نے کہا کہ لوگوں نے یہ مجھے ہدیے کے طور پر دیا ہے۔ نہ کوئی ایسا ثبوت تھا نہ کوئی ایسی بات تھی کہ ہدیہ قبول کر کے ان صاحب نے کوئی زیادتی کی ہو، کوئی ناانصافی کی ہو یا بیت المال کے اندر کوئی خیانت کی ہو۔ لیکن آپ ﷺ نے کہا: اگر تم گھر بیٹھے رہتے تو کیا تمھیں یہ مال ملتا؟ چنانچہ آپ ﷺ نے سارا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا۔ تو یہ بھی رشوت کی تعریف میں آتا ہے۔

ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے، بے انصافی بھی نہیں کی ہے، حق دار کو حق ادا کر دیا ہے، اس تحفے اور ہدیے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن یہی مال تو رشوت خوری

ہے جو آہستہ آہستہ انصاف کی، حق کی اور حقوق کی ادائیگی کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور معاشرہ کھوکھلا ہوتا چلا جاتا ہے۔ حکمران بیرونی آقاؤں سے رشوت لیتے ہیں۔ سودے کرنے والے اور معاہدے کرنے والے ان سے رشوت کھاتے ہیں۔ سیاسی معاہدے رشوت کے بل پر ہوجاتے ہیں۔ قوموں کی آزادی کے سودے رشوت کے بل پر ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ اس بات سے بھری ہوئی ہے۔ اسپین میں مسلمان ایک ایک کر کے اس لیے ضائع ہوتے گئے کہ ان کے حکمران اور ان کے امرا عیسائی بادشاہوں سے رشوت لیتے تھے اور مسلمان حکومتوں کی جڑیں کھوکھلی کرتے اور کاٹتے تھے۔ اسی لیے سحت کے معنی جڑ کاٹنے کے ہیں جو رشوت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

سود کے بارے میں فرمایا گیا ہے: وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ (النساء ۴:۱۶۱)، سود لیتے ہیں جس سے اُنھیں منع کیا گیا ہے اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں۔ سود کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا ہے۔ سود کے اس پیسے کے اندر کیا گندگی ہوتی ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے لیکن سود حرص اور لالچ کو بڑھاتا ہے۔ آدمی چاہے کہ بغیر محنت کے اور کمائی کے مال آتا جائے اور یہ بات معاشرے کے اندر پھیل جائے تو اس کے اندر فساد پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ بغیر محنت کے مال کمانے کی اور مال حاصل کرنے کی حرص اور لالچ پیدا ہوجائے تو معاشرے کی پوری کی پوری بنیادیں ڈھے جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ سود تو اتنی بڑی برائی ہے اور سود سے یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک خرابی ناپ تول میں کمی کرنا ہے جو بڑی عام ہے۔ اتنی پھیلی ہوئی ہے کہ آدمی جہاں بھی مال لیتا ہے تو اس میں خیال کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے کہ کتنا حرام ملا ہے اور کتنا حلال۔ گنے کے کاشت کار ملوں پر آتے ہیں، گنا فروخت کرتے ہیں، تول میں فرق ہوتا ہے اور اس طرح مل مالک کاشت کاروں کو ان کے نفع سے محروم کردیتے ہیں۔

ناپ تول کی کمی اتنی عام ہو تو اس سے قومیں تباہ و برباد ہوجاتی ہیں۔ ناپ تول کی کمی سے

بھی حرام کی کمائی آتی ہے۔اسی ناپ تول کی کمی سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔کراچی کے ایک بہت بڑے تاجر ہیں' ان کی بڑی دوکانیں بھی ہیں' کاروبار بھی ہیں' فیکٹریاں بھی ہیں اور دین دار بھی ہیں۔کہنے لگے کہ میں آپ کو اپنا واقعہ بتاؤں کہ ایک دفعہ میں نے یہ سوچا کہ میں بالکل حلال کھاؤں گا۔میں اپنی بہن کے پاس گیا اور کہا کہ آپ اپنی حلال کی کمائی سے سو روپے یا پچاس روپے مجھے دے دیں۔وہ بہت پریشان ہوئیں کہ لکھ پتی اور کروڑ پتی آدمی مجھ سے اتنے سے پیسے مانگ رہا ہے۔اُنھوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی حلال کی کمائی کھاؤں۔چنانچہ میں منڈی میں گیا اور میں نے پیاز خریدا' پیاز مجھے پانچ روپے سیر ملا۔باہر آیا تو معلوم ہوا کہ پیاز ہر جگہ تین روپے سیر بک رہا ہے۔میں نے ٹھیلے والوں سے پوچھا کہ یہ کیا کرشمہ ہے کہ منڈی کے اندر پانچ روپے بکتا ہے اور تم اس کو تین روپے سیر دیتے ہو۔اس نے ایک ترازو پکڑ لیا کہ اس کے بل پر ہے' کم تولتے ہیں اور نفع کما لیتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ جن کو اللہ نے لاکھوں کروڑوں دیا ہے فیکٹریاں چلا رہے ہیں' بڑی بڑی دکانیں ہیں' ان کے ہاں بھی اگر ناپ تول میں کمی ہو تو یہ بھی اسی حرام کی تعریف میں آتا ہے۔

یہ حدیث جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے صرف پاکیزہ کھانے کی اجازت دی ہے' وہی قبول بھی فرماتا ہے۔آپ ﷺ نے جس آدمی کا ذکر کیا ہے وہ تو بڑا عبرت ناک ہے۔ایک آدمی لمبے سفر کرتا ہے' اس میں مشقت اٹھاتا ہے' سر کے بال پریشان ہیں' پرانے زمانے کے سفر کا ذکر ہے دھول اور گرد پڑی ہوئی ہے اور کپڑے بھی گرد سے اَٹے ہوئے ہیں۔اور اللہ کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہتا ہے یا رب' یا رب۔ اے میرے رب' اے میرے رب۔روتا ہے' گڑگڑاتا ہے' آنسو بہاتا ہے' مانگتا ہے لیکن اس حال میں آیا ہے کہ کھانا بھی حرام' پینا بھی حرام' لباس بھی حرام' جو جسم بنا ہے وہ بھی حرام سے بنا ہے۔ایسے آدمی کی دُعا کیسے سنی جائے گی!

اگر آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اتنی دُعاؤں کے باوجود دُعائیں قبول نہیں ہوتیں تو اس کا سراغ

اس حدیث کے اندر موجود ہے۔ معاشرہ جاہلیّت کے اندر مبتلا ہے‘ معاشرے کے اندر ظلم ہے‘ معاشرے کے اندر آدمی مجبُور ہو جائے لیکن کم سے کم جو چیز ہمارے اختیار میں ہے اس کے لیے تو ہم قابل مواخذہ ہیں۔ اللہ کے سامنے کوئی کہتا ہے‘ کہ اے اللہ! میں مجبُور تھا‘ کوئی چیز میرے اختیار میں نہیں تھی۔ کوئی آدمی اس کے لیے تو مجبُور نہیں ہے کہ پچاس لاکھ کا نفع ضرور کمائے۔ آدمی مجبُور اس لیے ہوتا ہے کہ قناعت کے ساتھ اپنی زندگی گزارے۔ وہ بھی ممکن نہ ہو تو اللہ کے سامنے شاید اپنی جواب دہی کر سکے۔ لیکن ہر آدمی کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنی کمائی کو حلال کرے‘ اپنے رزق کو حلال کرے‘ لقمہ منہ میں جائے تو حلال کا جائے‘ لباس پہنے تو حلال کا پہنے۔ ورنہ یہ نیک اعمال‘ یہ نمازیں‘ یہ صدقات ان میں سے کیا چیز فائدہ دے سکتی ہے۔ دُعا کیوں نہیں قبول ہو رہی؟ اس لیے کہ قوم کے اتنے گھر ایسے ہوں گے جو حرام سے پل رہے ہیں۔ ایک تو گرد و غبار میں حرام موجود ہے اور وہ ہر ایک کو جا کے لگتا ہے۔ لیکن ہمیں سوچ کے فیصلہ کرنا چاہیے کہ جس کمائی کے اوپر میرا اختیار ہے‘ جس حرام کو رد کرنا میرے اختیار میں ہے‘ اس کے لیے مجبُور نہیں ہوں‘ مضطر نہیں ہوں‘ کم سے کم میں اس سے اپنا دامن بچاؤں گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ برکت دے گا‘ دُعائیں قبول ہوں گی‘ اللہ کی مدد ساتھ ہو گی اور حالات بھی ٹھیک ہوں گے۔

❖ ❖ ❖

جس حدیث کا مطالعہ کیا گیا ہے‘ اس کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک اللہ پاک ہے اور وہ پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔ بے شک اللہ نے مومنین کو بھی اس چیز کا حکم دیا جس کا اپنے رسولوں کو حکم فرمایا:

”اے میرے انبیاء‘ پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو“

اور مومنین کے بارے میں فرمایا:

”اے ایمان والو! اس پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں دیا“۔

پھر رسول اکرم ﷺ نے ایک ایسے آدمی کی مثال بیان کی جس نے لمبا سفر کیا۔ اس کے بال پراگندہ ہیں، چہرہ غبار آلودہ ہے۔ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاتا اور کہتا ہے:

اے رب! اے رب!

حالانکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور حرام طریقے سے پرورش ہوئی۔ پس ایسے شخص کی دُعا اللہ کے ہاں کیونکر قبول ہوگی؟

(رواہ مسلم)

❖ ❖ ❖